وہابی تحریک کا پس منظر!

ابھی حال ہی میں "ہندوستان میں وہابی تحریک" پر ایک کتاب بازار میں آئی ہے جس کے مؤلف اہلحدیث خانوادے کے ایک چشم و چراغ پٹنہ کے ڈاکٹر قیام الدین ہیں

اس کتاب کا ایک باب "وہابی تحریک کا پس منظر" قارئین کی دلچسپی کے لیے "ترجمان" کے صفحات میں پیش کیا جا رہا ہے ——— ادارہ

اٹھارہویں صدی میں ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں سب سے بڑا سانحہ سلطنتِ مغلیہ کا تدریجی انتشار اور پراگندگی تھا۔ آخری باقاعدہ زوال ابھی باقی تھا مگر گزشتہ دو صدیوں سے جو روشنی چمک رہی تھی وہ جھلملانے لگی اور نحوست کے بادل منڈلا رہے تھے۔ اس اختلال و انتشار کی رفتار صدی کے اختتام تک بہت تیز ہو چکی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ اصل مرکز سے تین جدا جدا اور بظاہر آزاد ریاستیں پیدا ہو گئیں۔ ۱۷۱۳ء میں دکن میں آصف جاہ نظام الملک نے ۱۷۲۳ء میں اودھ میں سعادت علی برہان الملک نے اور ۱۷۴۰ء میں بنگال میں علی وردی مہابت جنگ نے اپنی علیحدہ علیحدہ ریاستوں کی بنیادیں ڈالیں۔ ان صوبائی ریاستوں کی بنا اور استحکام سے مغلی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اس صورت حال نے ملک کے سیاسی میدان میں ایک خلا پیدا کر دیا جس کو پُر کرنے کے لیے تین مختلف متنازع طاقتیں مجتمع ہونے لگیں۔ مرہٹے، سکھ اور انگریز۔ جز قابل اعتنا تھیں۔ اس وقت تک یورپ کی اور طاقتیں سیاسی زور آزمائی کے میدان سے پسپا ہو چکی تھیں اور کم و بیش انگریزوں کی برتری تسلیم کر لی تھی۔ اب انگریزوں کو باقی دو ملکی

مدعیوں سے نمٹنا تھا۔ اٹھارہویں صدی کے دوسرے نصف اور انیسویں صدی کے پہلے نصف میں ہندوستان میں سیاست کی ہیئت کذائی یہی تھی۔

جنگ پلاسی

دوسرا نہایت نمایاں سیاسی پہلو انگریزوں کے بڑھتے ہوئے سیاسی عزائم اور طاقت تھا یا مخصوص مشرقی صوبہ جات بنگال اور بہار میں، دلی اور اس کے اطراف میں تاراج اور بدامنی کے ساتھ سیاسی ترکتاز کا مرکز دھیرے دھیرے مگر باقاعدگی کے ساتھ اس مشرقی حصہ ملک میں منتقل ہوتا جاتا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ ہندوستان میں انگریزوں کی آئندہ سیاسی برتری کی بنیاد یہیں رکھی جا رہی تھی۔

نواب علی وردی خاں کے لائق اور نیم خود مختارانہ نوابی کے زیر اثر ان دونوں صوبوں کو مقابلۃً بہت کچھ صلح و امن اور خوشحالی نصیب تھی۔ بنگال سے مالگذاری کی معتد بہ باقاعدہ ترسیل گنتی کے ان وقیع ذرائع آمدنی میں سے تھی جو متزلزل مغلیہ سلطنت کے لیے رہ گئی تھی۔ لیکن بعض سیاسی حوادث نے جو ۱۷۵۷ء کی جنگ پلاسی پر منتج ہوئے مالی طاقت کا یہ تنہا ذریعہ بھی معرض خطر میں پڑ گیا۔

اس جنگ کو بجا طور پر تاریخ ہند کا ایک یادگار واقعہ قرار دیا گیا ہے۔ اس کا ایک واضح نتیجہ انگریزوں کا ملک میں ایک اہم سیاسی طاقت بن جانا تھا۔ میر جعفر ان کے ہاتھ میں عملاً ایک کاٹھ کا پتلا بن کر رہ گیا۔ اس جنگ کے فوراً بعد نواب کی ریاست کی لوٹ شروع ہو گئی تا آنکہ انگریز بے بس نواب پر ہر قسم کے ناقابل برداشت مالی مطالبات عائد کرنے لگے اور اس کا خزانہ قریب قریب خالی ہو گیا۔ میر قاسم کو مسند پر بٹھایا گیا۔ زیادہ تر اس لیے کہ اس سے امید تھی کہ سابق نواب سے جس مال و دولت کے فراہم کرنے کا بجز وعدہ لیا گیا تھا اور جسے وہ پورا نہ کر سکا تھا، یہ اسے پورا کر دے گا۔ مگر یہ نیا نواب کسی اور خمیر کا بنا ہوا تھا اور انگریز سرپرست کی خواہشات کا ویسا غلام نہ تھا۔ جیسا اس کا سسر تھا۔ گہری سازشوں اور ڈپلومیٹک گفت و شنید کا ایک سلسلہ جاری ہو گیا۔ جو ۱۷۶۴ء میں بکسر کی جنگ میں اور ۱۷۶۵ء میں دیوانی حوالہ پر تمام ہوا۔ اس طرح ایک بار پھر اقتصادی بے چینی اور استحصال

کا ایک نیا دور شروع ہو گیا۔

تجارت پر انگریزوں کی اجارہ داری

تجارت کے متفرق اقسام کو ایسٹ انڈیا کمپنی اور بالعموم انگریز تاجروں کے حق میں مخصوص کر دینا اس زمانہ کی اقتصادی پالیسی کی نمایاں اقتصادی استحصال سے نہایت مہیب و شدید غربت و افلاس پھیل گیا۔ اٹھارہویں صدی کی مشہور تاریخ بہار و بنگال مظفر نامہ کے مؤلف کرم علی نے اس کے تباہ کن نتائج کو جامع طور پر بیان کیا ہے:۔

"انگریزوں نے جمہور رعایا کے ایک اہم ذریعہ معاش یعنی مختلف اقسام کی اراضی پر بھی ضرب لگائی۔ یہ اراضی کی بازیابی کے لیے مسلسل کارروائیوں سے انجام دی گئی۔ یہ کارروائیاں تدریجی اور متعدد تھیں جو پورے صوبے پر حاوی تھیں اور جن کا مقصد تھا مالگزاری سے مبرا حق تصرف کی بازیابی اور دوبارہ لگان عائد کرنا۔ مغل شاہنشاہوں اور صوبائی گورنروں اور دوسرے حکام اعلیٰ نے بہت سی معافیاں دے رکھی تھیں۔ صلے، انعامات اور اعلیٰ عہدہ داروں کو تنخواہیں ادا کرنے کا یہ طریقہ عام تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ رعائتیں ایسے وسیع پیمانے پر بخشی گئی تھیں۔ جب انگریزوں نے بہار و بنگال کے مالیانہ کا نظم اپنے ہاتھ میں لیا تو پورے علاقہ کی مالگزاری ریاست سے منتقل کر لی گئی۔ بے شبہ اس کے نتیجہ میں بڑا انتشار اور پراگندگی پھیلی۔ بہت سے لوگ جعلی وثیقوں اور سندوں سے معافیوں سے مستفید تھے"۔ تاہم انگریز افسران بندوبست نے ایسی اراضی پر لگان لگانے کے جو طریقے اختیار کیے تھے وہ نہایت بے رحمانہ اور بے باکانہ تھے۔ خود ہنٹر کو تسلیم کرنا پڑا ہے کہ "معافیوں کے لیے ہم نے ثبوت طلب کیے مگر جائیدادوں کے قبضہ و تصرف سے متعلق کسی واضح قانون کی غیر موجودگی میں وہ اپنی جاگیروں کے حق میں ثبوت پیش نہ کر سکے۔ ان کے وثیقوں اور سندوں کو موسم کی خرابی اور دیمکوں نے غارت کر دیا ہے"[1]

---

[1] ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کی کتاب آور انڈین مسلمان لندن ۱۸۷۱ء صفحہ ۱۸۱ Our Indian Musalman

قوانین بازیابی اراضی کے تحت بعض روداودں کے معائنہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ بعض حالات میں جعلی معافیوں کو بجا طور پر قبضہ کر لیا گیا تھا، مگر بیشتر صورتوں میں کارروائیوں کا مقصد قانون کے ٹکے سے نقاب میں معافی داروں کو بے دخل کرنا ہوتا تھا۔ ایسی کارروائیاں ملک گیر معاشی مصیبت، سماجی انتشار اور سیاسی بے چینی کا باعث ہوئیں۔ ہنٹر نے نہایت رنج و افسوس کے ساتھ تبصرہ کیا کہ:

"ان کے نتیجہ میں جو گھبراہٹ اور نفرت پھیلی، اس کا نقش دیہی دفتر تاریخ پر ہمیشہ کے لیے قائم ہو گیا۔" ۱؎

اس زمانہ میں وہابیوں کے خلاف مقدمات کے ذمہ دار افسر جیمس اوکنلی کی رائے نقل کر کے ظاہر کیا ہے کہ:

"یہ صورت حال مسلم قوم کے تنزل اور بے چینی کا دوسرا سبب تھی اور بعد میں اسی نے ۱۸۵۷ء کی آتش فساد میں بہار میں ایندھن کا کام کیا۔" ۲؎

یورپ کی تجارتی کمپنیوں کی آمد نے ملک کے قدیم اقتصادی نظام اور اقتدار کی جڑوں پر کاری ضرب لگائی۔ ان کے ورود نے تجارت کے نت نئے دروازے کھول دیے۔ پھر اس نے ایک جدید تاجر طبقے کو جنم دیا۔ اس مالدار، حریص اور ڈھیٹ طبقہ نے پرانے طبقہ شرفا جو سماج کے مختلف طبقات میں ایک مدت سے عزت آبرو کے مالک تھے، کے اخلاق و وقار کا مقابلہ کیا۔ سماجی امتیاز کا معیار خاندان نہیں بلکہ دولت پایا۔ اس نئے تجارتی طبقہ کے مفاد انگریزوں سے وابستہ اور اکثر و بیشتر انہیں پر دار و مدار رکھتے تھے اس لیے وہ اپنے محسنوں کے مفاد میں کام کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اپنے قومی مفاد کو بھی ان کے مفاد پر قربان کر دیتے۔ بنگال کے سیٹھوں کا خاندان اس حقیقت کی ایک مثال ہے۔ اس زمانہ میں یہ صورت حال ملک کی تاریخ پر بدنما دھبوں میں سے ایک تھا۔

۱؎ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کی کتاب آور انڈین مسلمان Our Indian Musalman لندن ۱۸۷۱ء ص ۱۸۲

۲؎ کے کے دتا کی کتاب سیرۃ کنور سنگھ و امر سنگھ پٹنہ ۱۹۵۷ء ص ۹۱-۹۲

اخلاقی انحطاط

یہ ایک تکلیف اور قلب ہیئت کا زمانہ تھا جب کہ وسطی معاشرہ مر رہا تھا اور جدید عہد اس کی جگہ لینے والا تھا۔ اس زمانہ میں وہ تمام معاشرتی زوال و تخریبات رونما ہوئیں جو اس حالت کا لازمہ ہوتے ہیں۔ تمام اخلاقی اقدار پاؤں تلے کچل دیے گئے ذاتی عیش و عشرت اور مقامی اعزاز کی خاطر عظیم قومی مصالح ٹھکرا دیے جاتے مستقبل تاریک اور ربڑے شگوفوں میں آلودہ نظر آتا تھا۔ اس لیے ہر شخص اس فکر میں رہتا تھا کہ جہاں تک اس کے بس میں ہو وقت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا لے۔ ایک اوسط درجہ کے شریف آدمی کی زندگی کے لیے تعیش، مے نوشی اور رقص و سرود کی محفلیں لازمی جزو بن گئی تھیں اور ان سے ادنیٰ تر طبقوں میں بھی ان سے نسبتاً پست تر پیمانے پر ان کی تقلید کی جاتی تھی۔ اس زمانہ کی ادبیات بھی جن کی کثیر مثالیں ہمارے سامنے ہیں کاہلی اور عیاشی کے مروجہ عواطف و میلانات مہیا کرتی تھیں۔ ہاں یہ یاس انگیز تصویر ذرا مدھم پڑ جاتی تھی تو اس حقیقت سے کہ اگلے زمانے کے کچھ لطیف جذبات جیسے جرأت و دلیری وفا شعاری اور شعور عزت و آبرو اب بھی لوگوں میں موجود تھے۔ اگرچہ ان کا نشو و نما غلط طریقوں پر ہوتا تھا۔ چنانچہ دلیری معمولی معمولی جھگڑوں، خانہ جنگیوں پر، وفاداری چھوٹے چھوٹے مقامی معاملوں پر استقلال و استقامت فرسودہ اور تباہ کن رسم و رواج سے چمٹے رہنے پر بیس جیتی تھی۔ اسراف پر اور علم و دانش قدیم ذخیروں میں جدید معلومات کا اضافہ کرنے کی بجائے پرانے پرانے متنوں کی طویل الذیل شرحیں لکھنے پر صرف کی جاتی تھی۔

اشاعت اسلام میں صوفیائے کرام کا حصہ

اس زمانہ کی مذہبی زندگی اور بھی حسرتناک تھی۔ ہندوستان میں اسلام کا نشو و نما زیادہ تر اگلے صوفی درویشوں کی جاں فشانیوں کا نتیجہ تھا۔ ان کی جد و جہد کا سنہرا زمانہ چودھویں اور پندرھویں صدی تھا جب کہ ان خود فراموش بے غرض پر جوش مبلغوں کے گروہ اپنے دین کی تبلیغ و اشاعت کے لیے تمام ملک میں مارے مارے پھرتے

ان کے اخلاقی اور زاہدانہ طرز معاشرت، ان کی وسعت قلبی، انسان دوستی، خدمت خلق اور عوام کے مفت معالجہ و اعانت نے دلوں پر قبضہ کر لیا اور مقامی باشندوں کی ایک کثیر تعداد کو ان کا معتقد بنا دیا۔ یہ مبلغین بڑے وسیع النظر تھے جن کی مثالی زندگی اور مخلصانہ خدمات ان کے دین کے اختیار کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ کرنے میں بڑا حصہ رکھتی تھیں۔

امتداد زمانہ کے ساتھ وہ بھی رخصت ہو گئے۔ ان میں سے بعض کے نام پر صوفیانہ طریقے اور خانقاہیں قائم ہو گئیں۔ بیش قرار فیاضانہ عطیات سے یہ مرکز مالدار ہو گئے اور صوفیوں کا سابق مبلغانہ جوش اور خدمت خلق کی سرگرمی بہت کچھ ٹھنڈی پڑ گئی۔ یہ خانقاہیں ہی تھیں جو اپنے ساز و سامان اور رسومات کے ساتھ زیر نظر عہد میں ملک کی دینی پر حاوی تھیں۔

مذہبی بے راہروی

مختلف صوفیانہ طریقوں اور خانقاہوں کی تعلیمات کا ایک لازمی جزو معرفت و وصال حق کے لیے بیعت واردات کا اصول ہے۔ کسی پیر طریقت کے بغیر ان میں سے کوئی مطلوب حاصل نہیں ہو سکتا۔ مرشد پر کامل توکل اور تکریم اپنی جگہ کوئی بری بات تو نہیں مگر یہ اکثر غیر معقول حد تک عمل میں لائی جاتی تھی۔ وہابیوں نے اسے روح اسلام کے منافی قرار دیا جو پیغام الٰہی کو براہِ راست سمجھنے کے اصول پر زور دیتی ہے جو ارشادِ قرآنی پر مبنی ہے اور جس کی توضیح و تکمیل احادیث صحیحہ سے ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ اسلام کے یہ دونوں ستون، حدیث اور قرآن عربی میں تھے۔ جمہور اہلِ ہند اس زبان سے ناواقف تھے۔ اس صورت حال نے عوام الناس کو علماء کا محتاج بنا رکھا تھا۔ ہندوستان میں قرآن مجید کا پہلا فارسی ترجمہ مشہور حضرت شاہ ولی اللہ (۱۱۱۴ھ تا ۱۱۷۶ھ) نے کیا۔ حدیث اگرچہ ہندوستان میں اس سے بہت پہلے رونما ہو چکی تھی۔ لیکن حضرت عبدالحق (محدث دہلوی) نے سولھویں صدی ہی میں اسے روشناس کر دیا تھا۔

قوم کی دینی سماجی زندگی کے بعض حالات جو اس وقت صورت پذیر تھے۔ کتاب صراط مستقیم میں اور احوال کے ساتھ یوں واضح کیے گئے اور ان پر سختی سے تنقید کی گئی ہے

۱۔ صوفی لباس میں ملاحدہ کی بدعات ہیں جو اس زمانہ میں جاری ہو گئی ہیں۔ ایک خدا کی شان اور اس کے احکام سے متعلق کلمات کفر کا استعمال ہے۔ طالب حق کو ان کے زبان پر لانے اور سننے سے پرہیز کرنا چاہیے اگرچہ ان کا کہنے والا نیک کار آدمی سمجھا جاتا ہو اور خود بھی ایسے کلمات زبان پر نہ لانا چاہییں۔ ایسی بے لگامی کبھی کوئی اچھا نتیجہ نہیں دکھا سکتی۔

۲۔ طریقۂ وجودیہ[1] کے ملاحدہ کی دوسری بدعت جو لوگوں میں پھیل گئی ہے اور جو صوفی طریقوں کے بڑے بڑے مرشدوں کے اقوال کے مطابق بتائی جاتی ہے وہ توحید وجودی یعنی وحدۃ الوجود کا ملحدانہ قول ہے۔ یہ صوفیہ اپنے آپ کو خدا کا جزو لاینفک یا واصل بخدا سمجھتے ہیں اور اس اتحاد و وسائل سے لذت کا احساس کرتے ہیں۔ وہ شیطان کے فریب یا خود فریبی سے اپنے آپ کو حقیقت الٰہی کے باطنی علم کا امر شناس سمجھتے ہیں اور بیہودہ بکواس میں اپنا قیمتی وقت ضائع نہیں کرتے۔

۳۔ ملحد صوفیوں کی ایک اور بدعت جو عام طور پر مسلمانوں میں پھیل گئی ہے وہ قضا و قدر کے مسئلہ پر بحث ہے۔ تقدیر پر اعتقاد دین اسلام کے اہم اعتقادات میں سے ہے اور شریعت کی رو سے واجب التسلیم ہے۔ اس لیے اس مسئلہ پر بحث و تمحیص نا واجب ہے۔ شریعت نے اس باریک اور عمیق موضوع پر مباحثہ

---

[1] صوفیوں میں وجودیہ اور شہودیہ دو نمایاں گروہ ہیں۔ ہندوستان کے زیادہ تر صوفیہ وجودیہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہ خدا کے وحدۃ الوجودی عقیدہ سے کسی قدر ملتا جلتا عقیدہ ہے یہ ہمہ اوست کے قائل ہیں یعنی ہر شے خدا ہی ہے۔ دوسرے گروہ کا عقیدہ ہمہ از وست ہے۔ اول الذکر کا عقیدہ ہے کہ خدا جزواً ہر شے میں موجود ہے آخر الذکر خالق و مخلوق کے وجود میں امتیاز کرنا ہے۔

سے منع کیا ہے۔ اس لیے تمام مسلمانوں پر اس کو کلیتہً مان لینے پر اکتفا کرنا اور اس سوال کی کرید میں طوفانی موجوں میں کودنے سے پرہیز کرنا لازم قرار دیا گیا ہے۔

۴۔ صوفی مشرکوں کی بدعات میں سے جو ہمارے زمانہ میں بالخصوص ہندوستان میں رائج ہیں وہ انتہائی تعظیم ہے جو مرشد کے لیے اس حد تک بجالائی جاتی ہے، کہ اسے درجہ خدائی یا نبوت تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ اس بارے میں معتدل حدود کو سمجھنا ضرور ہے۔ ایک مرشد بے شک راہِ خدا کو پہچاننے کا ذریعہ ہوتا ہے....... اور کسی رہبر و مرشد کے بغیر اس راہِ حق کی دریافت مشکل سے ممکن ہوتی ہے مگر مرشد ایسا ہونا چاہیئے جو شریعت کے خلاف کوئی کام نہ کرے یعنی قرآن وحدیث پر پختہ ایمان کے ساتھ راہِ حق پر گامزن ہو [1]

(وہابی عقاید کا خلاصہ یہ ہے کہ اصل فریضہ قرآن حدیث اور شرع کا اتباع ہے۔ مرشد کا اتباع اسی حد تک کرنا چاہیئے کہ اس کے اعمال شرع کے مطابق ہوں)

۵۔ صوفی مشرکوں کی بدعات جو عوام کی نظروں میں خیر معلوم ہوتی ہیں ان میں سے ایک پرہیزگار اور نیکوکار بزرگوں کی قبروں پر بیہودہ رسوم ادا کرنا ہے...... اسی سلسلہ میں مردوں سے اعانت اور مرادیں مانگنا ہے....... ایسی التجاؤں سے لوگ شرک میں آلودہ ہو جاتے ہیں........ اللہ تعالیٰ نے واجب کر دیا ہے کہ ہدایت و ارشاد کا سلسلہ جاری رہے اور فیض انہیں سے حاصل کرنا چاہیئے جو زندہ ہیں۔ اگر ایسا اتفاق ہو کہ کسی کو اپنے مقصد کے لیے کوئی زندہ شخص نہ ملے اسے مزارات کی جاترا کے عوض قرآن وحدیث کی پیروی کرنا چاہیے جو تمام باریک مسائل کی کنجی ہیں۔

۶۔ صوفی مشرکوں کی بدعات میں سے جو مسلمانوں کے ہر طبقے اور عوام الناس میں جاری

---

[1] صراط مستقیم ص ۵۲، ۵۳ - ۵۷ تا ۶۱

ہیں۔ نذر و نیاز بھی ہے (یعنی مردوں کی روحوں کو آرام دینے کے لیے اشیاء خوردنی اور کھانے کی چیزیں چڑھانا) یہ شرک شالحادکی ایک بدلی ہوئی شکل ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ اگرچہ اصولاً یہ جائز ہے اور اس کی صحیح بجا آوری شریعت پر مبنی ہے عوام الناس نے اپنے تصورات و تعصبات اس میں ملا جلا دیے ہیں اور اخلاف نے نہ صرف اسلاف کی پیروی کی ہے بلکہ جو چیزیں پہلے سے موجود تھیں۔ ان پر اضافہ کر کے حد سے تجاوز کیا ہے۔ اس طرح اصول حسنہ پس پشت ڈال دیے گئے اور ان کی مذموم فروعات جو کاوش سے گھڑلی گئی ہیں چل پڑیں"

مکروہ رسوم و رواج

کچھ سماجی رسوم و رواج بھی جو اس وقت جاری تھے۔ بیان کئے گئے اور ان پر تنقید و تعریض کی گئی ہے۔

"شادی اور غمی کے مواقع پر جو مکروہ رسوم ہندوستان میں جاری ہیں، ان کی جڑیں اتنی گہری اور مضبوط ہیں کہ طنز و تشنیع اور دشنام طرازی کے خوف سے ان کا اکھیڑنا انتہائی دشوار کام سمجھا جاتا ہے جہاں ان رسوم کو فرائض کی ادائیگی سے زیادہ اہم اور ان کے ترک کو شریعت کے ممنوعات و محرمات سے زیادہ دشوار سمجھتے ہیں۔ مثلاً ختنہ کے موقع پر جو دھوم دھام سنائی جاتی ہے۔ اس پر اتنا کثیر روپیہ صرف ہوتا ہے کہ اکثر ختنے ملتوی کر دیے جاتے ہیں اور جب ختنہ ہوتا ہے تو بچہ کافی بڑھ جاتا ہے۔ یہ ایک شرمناک اور بیہودہ بات ہے۔ اسی طرح منگنی اور شادیوں میں التوا ہوتا رہتا ہے۔ شادی میں زیادہ تاخیر سے ایک نوجوان کے لیے گناہ میں ملوث ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ غمی میں تو زیادہ التوار کی گنجائش نہیں ہوا کرتی۔ لیکن قبروں کی تیاری اور تجہیز و تدفین کے رسمی افعال میں اتنی تاخیر ہوتی ہے کہ دوسرے ضروری کاموں میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ مرنے کے تیسرے اور چوتھے دن کے رسوم میں زر کثیر صرف کیا جاتا ہے۔ معاشرہ سے طنز و تشنیع اور دشنام

کے خوف سے عوام اس حد تک مجبور ہو جاتے ہیں کہ ان رسوم کی بجاآوری کی خاطر ان کو اپنی جائداد فروخت کرنا پڑتی ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص نماز میں غیر حاضری سے اتنا ملزم نہیں ٹھہرایا جاتا۔ جتنا عرس کی غیر حاضری سے یا کسی شادی کی محفل رقص و سرود سے۔"

ایک اہم ترین کتاب

القادیانیة

دراسات و تحلیل

(عربی)

علامہ احسان الٰہی ظہیر کی وہ معرکہ آرا عربی کتاب جس نے "مرزائیت" کا عالم عرب میں پردہ چاک کر دیا۔

★ دوسرے ایڈیشن کی چند کاپیاں باقی موجود ہیں۔

★ قیمت:۔ ۲۰ روپے صرف

★ آفسٹ پیپر

★ اعلیٰ طباعت

ملنے کا پتہ

ادارہ ترجمان السنة ۷۔ ایبک روڈ

انارکلی لاہور